مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام

از قلم: مولانا محمد طاسین

اَلحَمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العَالَمِینَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ عَلٰی سَیِّدِ الاَنبِیَاءِ وَالمُرسَلِینَ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ۔ امابعد فقد قال اللہ تعالیٰ فی کتابہ المبین:

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ: بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ
یٰاَیُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا لَا تَاکُلُوا اَموَالَکُم بَینَکُم بِالبَاطِلِ اِلَّا اَن تَکُونَ تِجَارَۃً عَن تَرَاضٍ مِّنکُم: "اے ایمان والو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ تجارت کا طریقہ اور باہمی رضامندی سے ہو۔"

موضوع اور مقصد جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس مقالے کا موضوع ہے: "مروّجہ نظامِ زمینداری اور اسلام" اور مقصد یہ واضح و متعین کرنا ہے کہ اسلام کی رو سے یہ نظام جائز و درست ہے یا ناجائز و نادرست؟ اور اگر یہ ناجائز و نادرست ہے تو پھر از روئے اسلام نظامِ زمینداری کی جائز اور صحیح شکل کیا ہے۔

مروّجہ نظامِ زمینداری غلط مبحث سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ شروع میں یہ واضح کر دیا جائے کہ مروّجہ نظامِ زمینداری سے میری مراد کیا ہے؟ اس سے میری مراد وہ نظامِ زمینداری ہے جس کے اندر زراعت اور زرعی معیشت سے تعلق رکھنے والے لوگ دو مختلف طبقوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ایک طبقہ مالکانِ زمین اور زمینداروں کا کہلاتا ہے۔

اور دوسرا مزارعین اور کاشتکاروں کا طبقہ، اوّل الذکر طبقہ کو کسی نہ کسی جائز و ناجائز طریقہ سے زرعی زمینوں سے متعلق حقِ ملکیت تو حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اپنی مملوکہ زمینوں کو خود کاشت نہیں کر رہا ہوتا بلکہ دوسروں سے بٹائی و مزارعت یعنی پیداوارِ زمین کے ایک حصہ پر کاشت کرا رہا ہوتا ہے یا پیداوار کے ایک حصّہ کی بجائے کاشت کار سے بطور کرایہ نقد رقم وصول کرتا ہے۔ ثانی الذکر طبقہ ایسے افراد پر مشتمل ہوتا ہے جو اپنی زیرِ کاشت اراضی کے مالک تو نہیں ہوتے لیکن زراعت و کاشت کاری کی جملہ مشقتیں و صعوبتیں وہی برداشت کرتے اور اس کے عوض پیداوار کا ایک حصّہ پاتے ہیں، دوسرا فرق ان دو طبقوں کے درمیان یہ ہے کہ پہلے طبقہ کے لوگوں کو عموماً دوسرے طبقہ کے لوگوں پر معاشی، معاشرتی، سیاسی اور ثقافتی فوقیت و برتری حاصل ہوتی اور دوسرے طبقہ کے لوگ عموماً معاشی لحاظ سے پسماندہ، خستہ حال اور معاشرتی اعتبار سے بے وقعت اور سیاسی طور پر محکوم ہوتے ہیں۔ گویا پہلے طبقہ کی حیثیت آقا اور دوسرے کی غلام کی سی ہوتی ہے۔

مروّجہ نظامِ زمینداری کی دو بنیادیں مروّجہ زمینداری نظام کی جو وضاحت پیش کی گئی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اس نظام کی پوری عمارت دو بنیادوں پر قائم ہے۔ ایک زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت اور دوم معاملۂ مزارعت پر جسے اردو میں بٹائی کا معاملہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ جاننے کے لئے کہ مروّجہ نظام زمینداری اسلام کی رُو سے جائز و صحیح ہے یا ناجائز و باطل؟ یہ جاننا ضروری ہوگا کہ زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت اور معاملۂ زراعت، اسلام کی رُو سے جائز ہیں یا ناجائز؟ چنانچہ اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ دونوں از روئے اسلام جائز ہیں تو اس کا لازمی مطلب یہ ہوگا کہ یہ نظامِ زمینداری جائز ہے، اور اگر محکم دلائل سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں یا دونوں میں سے ایک اسلام کے نزدیک جائز نہیں تو یہ مروّجہ نظامِ زمینداری خود بخود ناجائز قرار پائے گا۔

بنابریں عقلی طور پر بحث و تحقیق کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان دو مسئلوں پر الگ الگ بحث کی جائے اور دلائل کی روشنی میں یہ پتہ چلایا جائے کہ زمین کی

شخصی ملکیت اور معاملۂ مزارعت قرآن و حدیث کی رُو سے جائز ہیں یا ناجائز؟ لیکن چونکہ معاملۂ مزارعت کا دار و مدار زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت پر ہے اگر زمین کی شخصی ملکیت نہ ہو تو معاملۂ مزارعت کا وجود ختم ہو جاتا ہے کیونکہ یہ معاملہ جن دو فریقوں کے درمیان طے پاتا ہے ان میں ایک مالک زمین اور دوسرا کاشت کار ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت کا وجود مقدم اور معاملۂ مزارعت کا وجود مؤخر ہے۔ لہٰذا تقاضائے عقل یہ ہے کہ مسئلۂ ملکیت زمین پر پہلے اور مسئلۂ مزارعت پر بعد میں بحث کی جائے تو لیجئے بحث کا آغاز مسئلۂ ملکیت زمین سے کیا جاتا ہے۔

مسئلۂ ملکیتِ زمین اور اسلام

زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت کا اگر یہ مطلب لیا جائے کہ کسی خاص قطعہ زمین سے انتفاع و استفادے کے حق میں کسی شخص و فرد کو دوسرے اشخاص و افراد پر ترجیح و تخصیص حاصل ہونا ایسی کہ اس کی رضامندانہ اجازت کے بغیر دوسرا کوئی اس قطعۂ زمین سے استفادہ و انتفاع اور اس میں کوئی ایسا تصرف نہ کر سکے جو مالک کے لئے مخصوص ہوتا ہے تو اس مطلب کے لحاظ سے بلاشبہ اسلام زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت کو تسلیم کرتا اور اسے جائز ٹھہراتا ہے، اس کا ثبوت قرآن و حدیث کی ان جُزدی نصوص سے بھی فراہم ہوتا ہے جو خاص طور پر زمین کی شخصی ملکیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور اس اصولی و کلی تصوّر سے بھی مہیّا ہوتا ہے جو عام اشیاء کی انفرادی و شخصی ملکیت سے متعلق قرآن و حدیث کے اندر پایا جاتا ہے۔

پھر چونکہ زمین کی شخصی و انفرادی ملکیت سے متعلق قرآن و حدیث میں جو جزدی نصوص ہیں غور سے دیکھا جائے تو وہ بھی دراصل ملکیت کے اصولی و کلی تصوّر کی جزئیات و فروع نظر آتی ہیں جو عام اشیاء کے متعلق قرآن و حدیث میں ہے۔ لہٰذا زیادہ بہتر اور مفید ہوگا کہ پہلے قرآن و

حدیث میں مذکور ملکیت کے اصولی و کلی تصور کو واضح کیا جائے اور پھر ان جزوی نصوص کو سامنے لایا جائے جو خاص طور پر ملکیت زمین سے متعلق ہیں۔

انسانی ملکیت کا اصولی تصور ملکیت کے مسئلہ سے متعلق جب ہم قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں تو سب سے پہلے جو بات روشن ہو کر سامنے آتی ہے اور جو حقیقت اجاگر ہوتی ہے وہ یہ کہ کائنات کی ہر ہر شے کا حقیقی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے جس نے کائنات کی ہر ہر شے کو پیدا کیا اور جو ہر ہر شے کی پرورش و تربیت کر رہا اور ہر شے کے لئے وہ سب سر و سامان مہیا فرماتا ہے جو اس شے کی حیات و بقاء کے نشو و نما کے لئے ضروری ہے۔ گویا ہر شے کے خالق اور رب ہونے کی وجہ سے صرف اللہ تعالیٰ ہی ہر شے کا جس میں انسان بھی شامل ہے، حقیقی مالک ہے اور اسے ہر شے کے اندر ہر قسم کے تصرف و ردو بدل کا کامل، ذاتی اور مستقل حق و اختیار حاصل ہے۔

ہر شے کا حقیقی مالک صرف اللہ ہے قرآن مجید کی جن آیات سے اس حقیقت کا انکشاف اور اس بات کا اظہار ہوتا ہے ان میں ایک تو اس مضمون کی آیات ہیں :-

لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ	"اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے"

اس قسم کی آیات قرآن مجید میں بیس سے زائد جگہ ہیں اور یہ اپنی نحوی ترکیب کے لحاظ سے اس پر دلالت کرتی ہیں کہ کائنات کی ہر شے کی ملکیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے اور تنہا وہی ہر شے کا حقیقی مالک ہے اور یہ اس لئے کہ اس کے سوا کوئی نہ کسی شے کا خالق ہے اور نہ رب کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات بتلاتی ہیں کہ ہر شے کا خالق اور رب صرف اللہ ہے اور یہ کہ صفت خالقیت و ربوبیت میں اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں جو صفت مالکیت کی بنیاد ہے۔ لہٰذا صفت مالکیت میں بھی اللہ کے ساتھ کوئی شریک نہیں، اس لحاظ سے انسان نہ صرف یہ کہ کسی شے کا حقیقی مالک نہیں بلکہ دوسری تمام اشیاء کی طرح وہ خود بھی اللہ کا

مملوک ہے۔ اور یہ اس لئے کہ انسان کسی شے کا خالق نہیں اور وہ کسی شے کو عدم سے وجود میں نہیں لا سکتا۔ کسی بڑی شے کو تو کیا وہ ایک ذرّے تک کو نہ پیدا کر سکتا ہے اور نہ فنا کر سکتا ہے۔ ایک انسان عمر بھر جو کرتا ہے اور کر سکتا ہے وہ صرف یہ کہ تحلیل و ترکیب کے عمل سے اشیاء کی شکلوں صورتوں میں ردو بدل اور تغیّر و تبدل کرتا ہے۔ لہٰذا اگر ایک انسان کے عمل سے عالم موجودات میں کسی نئی چیز کا اضافہ ہوتا ہے تو صرف ان تغیّرات و تبدّلات کا ہوتا ہے جو انسان کی دماغی جسمانی سعی و حرکت اور محنت و مشقّت سے وجود میں آتے اور مختلف شکلوں میں مادی اشیاء کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں۔ بظاہر کا لفظ میں نے اس لئے کہا کہ اگر غور سے دیکھا جائے تو حقیقت میں یہ تغیّرات و تبدّلات بھی اللہ ہی کے پیدا کردہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا خالق بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے کیونکہ وہ بے شمار اسباب و عوامل جن پر انسانی سعی و عمل کا دارومدار ہے اللہ ہی کے پیدا کردہ اور اسی کے تصرّف و اختیار میں ہیں۔ مثلاً ہوا، پانی، روشنی، حرارت اور غذائی اشیاء، اگر ان میں سے ایک چیز بھی موجود نہ ہو تو انسانی سعی و عمل تو درکنار، انسان سرے سے زندہ ہی نہیں رہ سکتا اور ظاہر ہے کہ سب چیزیں اللہ ہی کی پیدا کردہ ہیں، اور پھر وہ دماغی و جسمانی صلاحیتیں اور قوتیں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی خلق کردہ ہیں جن کے ذریعے انسان سعی و عمل کرتا اور مادی اشیاء میں تغیّرات و تبدّلات کا باعث بنتا ہے، قرآن حکیم کی بعض آیات سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انسان کی طرح اس کے اعمال و افعال کا بھی خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ سورۂ الصّٰفّٰت کی آیت ہے:

وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ — "اور اللہ ہی خالق ہے تمہارا اور تمہارے اعمال کا جو تم کرتے ہو۔"

اسی طرح سورۂ الزمر میں ہے:—

اللّٰہُ خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ — "اللہ ہر شے کا خالق اور پیدا کرنے والا ہے۔"

انسان کسی چیز کا خالق نہیں لہٰذا حقیقی مالک بھی نہیں چونکہ انسان، اس کا عمل و کام اور اس کے عمل و کام

سے ظہور میں آنے والے تغیرات و تبدلات بھی شے کا مصداق ہیں لہٰذا اس دوسری آیت کے مصداق ان کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوتے اور وجود میں آتے ہیں۔

غرضیکہ حقیقت میں کوئی انسان کسی شے کا خالق نہیں لہٰذا کوئی انسان کسی شے کا حقیقی مالک بھی نہیں۔ خالق اور ہر شے کا حقیقی مالک فقط اللہ تعالیٰ ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی جو صفاتِ مقدسہ اور اسماءِ حسنیٰ بیان ہوئے ہیں ان میں سے ایک صفت مالکیت اور ایک اسم مالک ہے، سورہ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ کے جن اسماءِ صفات کا ذکر ہے ان میں ایک مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ہے۔ پھر سورہ آل عمران کی اس آیت میں صراحت کے ساتھ اللہ کے اس اسم صفت کا ذکر ہے۔

اَللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي	"اے اللہ بادشاہت کے مالک،
الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَ	تو جسے چاہتا بادشاہت دیتا اور جس
تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ	سے چاہتا بادشاہت چھین لیتا ہے"

اللہ کی صفتِ مالکیت پر ایمان کا مطلب

بنابریں اللہ پر ایمان لانے کے لئے ضروری ہے کہ دوسرے صفات پر ایمان کے ساتھ ساتھ اس کی صفتِ مالکیت پر بھی ایمان ہو۔ چنانچہ وہ شخص کبھی مومن نہیں ہو سکتا جو اللہ کی صفتِ مالکیت کو دل سے نہ مانتا اور نہ زبان سے اس کا اقرار نہ کرتا ہو۔ اس صفتِ الٰہیہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان کے دل میں یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کی ہر ہر شے میں ہر قسم کے تصرف و ردّ و بدل کا کامل، کلی، ذاتی اور دائمی اختیار ہے اور اس کا ہر تصرف درست اور مفید ہے۔ کسی کو اس کے کسی تصرف پر اعتراض و شکایت کا کوئی حق نہیں، اللہ کی صفت مالکیت پر اعتقاد کا تقاضا یہ ہے کہ بندۂ مومن ہر اس تصرف کو صحیح سمجھے اور اس پر راضی و خوش رہے جو اس کی ذات و زندگی میں واقع ہو یا عالمِ انسانیت اور کائنات کی کسی دوسری چیز میں، اسی طرح اس اعتقاد کا تقاضا یہ بھی ہے کہ بندہ یہ سمجھے کہ وہ اپنے اعمال و تصرف میں آزاد و خود مختار نہیں بلکہ مالک

حقیقی اللہ تعالیٰ کی مرضی کا پابند ہے اسے اپنی ذات یا دنیا کی کسی اور شے کے اندر کوئی ایسا تصرف نہیں کرنا چاہیئے جو اللہ کی مرضی و منشا اور اس کے احکام و قوانین کے مخالف و منافی ہو۔

کائنات کی ہر شے نوعِ انسان کے فائدہ کے لئے ہے

انسانی ملکیت کی توضیح وتشریح کے سلسلہ میں قرآن حکیم کے مطالعہ سے جو دوسری بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کی ہر شے کا حقیقی مالک ہے کائنات کی ہر شے کو بنی نوع انسان کے استفادے کے لئے مباح عام کر دیا ہے۔ اس کا اظہار قرآن حکیم کی جن آیات سے ہوتا ہے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً ○ (بقرہ)

"وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے فائدے اور انتفاع کے لئے زمین کی تمام چیزوں کو پیدا کیا اور خلق فرمایا۔"

وَلَکُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ○ (بقرہ)

"اور تمہارے لئے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک خاص وقت تک"

اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ فِرَاشاً وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقاً لَّکُمْ (بقرہ)

"وہ رب جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسایا پھر اس کے ذریعے پھل غلّے اگائے بطور رزق تمہارے لئے"

وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَکُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ (الاعراف)

"اور بے شک ہم نے تمہیں زمین میں قدرت و اختیار کے ساتھ بسایا اور متمکن کیا اور اس میں تمہارے لئے سامان معاش رکھا"

وَالْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰهَا ○ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَمَرْعٰهَا ○ وَالْجِبَالَ اَرْسٰهَا ○ مَتَاعاً لَّکُمْ وَلِاَنْعَامِکُمْ (النازعات)

"اور اس کے بعد زمین کو ہموار کر کے بچھایا۔ اس میں سے پانی نکالا اور چارہ اگایا اور پہاڑوں کو مضبوطی کے ساتھ جمایا۔ تمہارے فائدہ کے لئے اور تمہارے

مویشیوں کے فائدہ کے لئے "

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ وَّزَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (عَبَسَ)

"ہم نے خوب پانی برسایا۔ پھر زمین کو خاص طرح سے پھاڑا۔ پھر اس میں اگائے غلے، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور اور گھنے باغ اور پھل میوے اور چارہ، تمہارے فائدے کے لئے اور مویشیوں کے فائدہ کے لئے۔"

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ (الانعام)

"اور چوپائے مویشی اللہ نے تمہارے فائدے کے لئے پیدا فرمائے۔ ان میں گرمی کا سامان اور دوسرے بہت سے منافع ہیں اور بعض ان میں وہ ہیں جن کا گوشت تم کھاتے ہو"

اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ

"حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے فائدہ کی خاطر۔"

قدرتی اشیاء سے حق استفادہ میں مساوات

اوپر مذکور چند آیات بطور مثال ہیں ورنہ قرآن مجید کے اندر بکثرت ایسی آیات ہیں جن میں مظاہر فطرت، زمین آسمان، چاند سورج، پہاڑ دریا، جمادات و نباتات اور حیوانات وغیرہ کا اس طرح ذکر ہے کہ یہ سب اشیاء اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے تمتع و انتفاع کے لئے پیدا کی ہیں اور انسان کو ایسی علمی و عملی اور دماغی وجسمانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ وہ ان تمام اشیاء سے فائدہ اٹھا اور خدمت لے سکتا ہے اور چونکہ ان آیات کا تعلق نوع انسان سے ہے۔ لہٰذا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو کائنات کی تمام اشیاء کا حقیقی مالک ہے اپنی مملوکہ اشیاء سے نوع انسان کے سب افراد کو متمتع و منتفع ہونے کا حق و اختیار دیا ہے۔ اور چونکہ یہ حق و اختیار محض انسان ہونے کی حیثیت سے دیا گیا ہے لہٰذا اس میں سب

انسان اور نوع انسان کے تمام افراد برابر کے شریک ہیں۔ رنگ، زبان، وطن، قوم قبیلے، دین و مذہب کی بنیاد پر کسی انسان کو دوسرے انسان پر کوئی ترجیح و فوقیت نہیں بلکہ سب اس حق میں برابر و مساوی ہیں اور سب کو اللہ کی پیدا کردہ قدرتی اشیاء سے انتفاع و استفادے کا یکساں حق ہے اور یہ اس لئے بھی کہ ہر انسان اپنی حیات و بقا کی خاطر جبلّی و فطری طور پر ان قدرتی اشیاء سے انتفاع و استفادے کا محتاج بھی ہے۔ لہٰذا یہ بلاکسی تخصیص و امتیاز اور بلاکسی تفریق و استثناء ہر انسان کا انسانی اور فطری حق ہے جو رب العلمین نے اپنی عمومی رحمت کے تحت ہر انسان کو عطا فرمایا ہے۔

انسان کی سعی کے ثمرات اسی کے لئے ہیں مسئلۂ ملکیت کے سلسلہ میں تیسری اصولی بات جو قرآن و حدیث کے مطالعہ سے ہمارے علم میں آتی ہے وہ یہ کہ ہر انسان کی تعمیری سعی و جہد کے مفید اثرات و نتائج، خود اس انسان کے لئے ہیں اور وہی ان سے فائدہ اٹھانے کا مستحق و حقدار ہے دوسرا کوئی اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر ان سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہیں، اس اصولی تصوّر کا اظہار قرآن مجید کی جن آیات سے ہوتا ہے ان میں سے ایک سورہ البقرہ کی یہ آیت ہے :-

لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا	"ہر نفس کے مفید کام کا فائدہ
مَا اكْتَسَبَتْ ۝	بھی اسی کیلئے اور مضر کام کا ضرر بھی اسی پر"

یعنی جو متنفّس اچھا کام کرتا ہے اس کا فائدہ بھی اسی کے لئے اور جو برا کام کرتا ہے اس کا ضرر بھی اسی پر عائد ہوتا ہے۔ دوسری آیت سورۂ فُصِّلَت اور سورۂ الجاثیہ کی یہ آیت ہے :-

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا	"جس نے نیک و اچھا عمل کیا اس
فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ	کا فائدہ بھی اسی کے لئے اور جس نے
فَعَلَيْهَا۔	بد اور بُرا کام و عمل کیا اس کا ضرر اور
	وبال بھی اسی پر"

تیسری آیت سورہ وَالنَّجْم کی یہ آیت ہے جو اس بارے میں نص صریح اور محکم کی حیثیت رکھتی ہے

وَاَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ۝ "اور یہ کہ نہیں ہے انسان کے فائدہ کے لئے مگر وہ جو اس کی سعی سے پیدا ہوا۔"

اس آیت مبارکہ میں جو تعلیم و ہدایت فرمائی گئی ہے وہ یہ کہ ہر انسان کی مفید سعی و کوشش اور جد و جُہد کا فائدہ اور ثمرہ خود اس کے لئے مخصوص ہے کیونکہ اس آیت میں لَیْسَ حرف نفی اور اِلَّا حرف استثناء سے مضمون میں حصر پیدا ہوگیا ہے۔ لہٰذا مفہوم یہ ہوا کہ جس انسان کی سعی و جہد سے جو مفید اثرات وجود میں آئیں وہ "اس کے لئے مخصوص ہیں اور وہی ان سے فائدہ اٹھانے کا اصل حقدار ہے دوسرا کوئی حقدار نہیں، یعنی وہ اس کی مرضی اور اجازت کے بغیر ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اور فائدہ اٹھانے کے لئے ان میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔

ایسی قرآنی آیات کا تعلق انسان کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں سے ہے

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ اس قسم کی قرآنی آیات کا مفہوم و مطلب بڑا وسیع اور جامع ہے جو انسان کی دنیوی اور اخروی دونوں زندگیوں سے یکساں تعلق رکھتا ہے اور دونوں کی صلاح وفلاح کا حامل اور ضامن ہے، اسے صرف اخروی یا صرف دنیوی زندگی سے مخصوص و محدود کر دینا درست نہیں کیونکہ قرآنی ہدایات کا مقصد انسان کی اخروی فوز وفلاح بھی ہے اور دنیوی صلاح و بھلائی بھی، یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید انسان کی اخروی فلاح و کامیابی کو اصل فلاح و کامیابی ٹھہراتا ہے اور اسے بنیادی اہمیت دیتا ہے، لہٰذا مذکورہ قرآنی آیات کا مطلب یہ بنتا ہے کہ ہر انسان کے اچھے کسب و عمل اور تعمیری سعی و کوشش پر دنیا میں جو اچھے اور مفید اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ بھی اسی کے لئے اور جو آخرت میں مرتب ہوں گے وہ بھی اسی کے لئے مخصوص ہیں۔ گویا اچھے عمل پر اچھی جزاء خواہ وہ دنیا میں ظاہر ہو یا آخرت میں، عمل کرنے

والے کے لئے مخصوص ہے اور وہی اس سے فائدہ اٹھانے کا حق رکھتا ہے۔

اختیاری اعمال و مساعی کا اصل محرّک

مزید غور سے دیکھا جائے تو یہ تعلیم انسانی فطرت کے عین مطابق اور عقل و قیاس کی رُو سے ایک بالکل صحیح اور حق تعلیم ہے کیونکہ انسان کی یہ اٹل فطرت ہے جو کبھی بدل نہیں سکتی کہ وہ اپنے شعور و ارادہ اور اختیار و مرضی سے جو بھی سعی و جہد اور کام و عمل کرتا ہے صرف اس وقت کرتا ہے جب اسے یہ یقین یا غالب ظن ہوتا ہے کہ اسے اس سے کوئی مادی یا روحانی، دنیوی یا اُخروی فائدہ پہنچے گا اور اس کی اس سے کوئی جسمانی یا روحانی اور دنیوی و اُخروی حاجت و ضرورت پوری ہوگی اور سکون و اطمینان میں اضافہ ہوگا، گویا ذاتی فائدے کا شعور ہی وہ اصل محرک ہے جو انسان کو کسی اختیاری اور ارادی کام و عمل اور جد وجہد پر ابھارتا اور آمادہ کرتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو انسان بظاہر دوسروں کے فائدہ کے لئے جو سعی و عمل کرتا ہے اس کی تہہ میں بھی یہی شعور کارفرما ہوتا ہے کہ اس سے اس کی ذات کو کوئی فائدہ پہنچے گا مثلاً اللہ کی رضا و خوشنودی اور آخرت کی نجات و سعادت حاصل ہوگی، یا دنیا میں اسے اچھی شہرت اور نیک نامی نصیب ہوگی اور لوگ اس کی عزت کریں گے وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح یہ بھی امر واقعہ ہے کہ ایک انسان جو بھی دماغی و جسمانی سعی و محنت اور کام کاج کرتا ہے اس میں ضرور اس کی انرجی و توانائی صرف ہوتی ہے اور اسے ضرور زحمت و تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ لہٰذا عقل اور عدل و انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس انسان کی دماغی و جسمانی سعی و محنت اور جد وجہد سے جو مفید اثرات وجود میں آئیں وہ اس کے لئے مخصوص ہوں اور وہی ان سے فائدہ اٹھانے کا حق دار ہو۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ قرآن حکیم کی مذکورہ تعلیم فطری اور معقول بھی ہے اور عدل و انصاف کے عین مطابق بھی ــــــ!!

ہر انسان کے لئے اس کی سعی کے اثرات محفوظ ہونے کی عملی صورت

پھر چونکہ یہ بھی ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسانی سعی و محنت اور کام و عمل کے ذریعے جو مفید اثرات وجود میں آتے ہیں خارج میں ان کا الگ تھلگ مستقل وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ مختلف تغیرات

وتبدّلات کی شکلوں میں مختلف مادی اشیاء کے ساتھ قائم و وابستہ ہوتے ہیں مثلاً ایک کسان کی سعی و محنت کے مفید اثرات کھیت کے ساتھ قائم و وابستہ ہوتے اور کھیتی، غلّوں اور پھلوں وغیرہ کی شکل میں سامنے آتے ہیں، ایک معمار کی محنت ومشقّت کے مفید اثرات اینٹ، پتھر سمینٹ وغیرہ تعمیری مواد کے ساتھ قائم ہوتے اور مکان کی شکل میں ہویدا ہوتے ہیں، ایک بڑھئی کی سعی و محنت کے مفید اثرات لکڑی کے ساتھ قائم ہوتے اور میز کرسی وغیرہ کی شکل میں نمایاں ہوتے ہیں، اسی طرح ایک لوہار کی سعی و محنت کے مفید اثرات لوہے کے ساتھ وابستہ ہو کر مختلف آلات واوزار اور ساز وسامان کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں، غرضیکہ ہر صانع، کاریگر اور محنت کش کی سعی و جہد اور محنت و مشقت کے مفید اثرات، قدرتی اشیاء میں سے کسی نہ کسی شے کے ساتھ وابستہ و قائم ہو کر مختلف مصنوعات کی شکل میں سامنے آتے ہیں، ان قدرتی اشیاء سے ہٹ کر ان کا الگ اور مستقل کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر انسان کے لئے اس کی سعی و محنت کے مفید اثرات، مخصوص اور محفوظ ہونے کی عملی اور خارجی طور پر جو صورت ہو سکتی ہے وہ یہ کہ ہر انسان کے لئے وہ قدرتی شے مخصوص اور محفوظ ہو جس کے ساتھ اس کی سعی و محنت کے مفید اثرات قائم و وابستہ ہو چکے ہیں، اور اب دوسرا کوئی شخص اس کی رضامندانہ اجازت کے بغیر اس شے سے انتفاع واستفادہ نہ کر سکے۔

بنابریں قرآن مجید کی جن آیات میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ہر انسان کی سعی و محنت کے مفید اثرات ونتائج خود اسی کے لئے ہیں۔ ان آیات سے بطور اقتضاء النص یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس قدرتی شے کے ساتھ جس شخص کی سعی و محنت کے مفید اثرات قائم ہوں وہ شے اس شخص کے لئے مخصوص اور محفوظ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس کے بغیر ان آیات کا عملی طور پر کوئی مطلب بنتا ہی نہیں۔

شخصی ملکیت کا اصل سبب

اور پھر ادھر چونکہ کسی شے کے متعلق کسی شخص کی ملکیت کا مفہوم و مطلب بھی یہی ہے کہ اس شے سے انتفاع و استفادے کے حق میں اس شخص کو دوسروں کے مقابلہ میں ترجیح و تخصیص حاصل ہے لہٰذا مذکورہ آیات سے جہاں شخصی ملکیت کا ثبوت فراہم

ہوتا ہے وہاں اس کا سبب اور فلسفہ بھی سمجھ میں آتا ہے یعنی یہ کہ قرآن مجید کے نزدیک شخصی ملکیت کا اصل سبب اور حقیقی فلسفہ وہ مفید اثرات ہیں جو کسی شخص کی سعی و محنت سے وجود میں آتے اور کسی قدرتی شے کے ساتھ قائم ہو جاتے ہیں، اور پھر اس سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ کسی شے کے متعلق کسی شخص کی ملکیت اسوقت تک موجود رہتی ہے جب تک اس شے کے ساتھ اس کی محنت کے اثرات قائم رہتے ہیں۔ چنانچہ اگر کسی طرح سے وہ اثرات زائل وختم ہو جائیں تو یہ شخصی ملکیت بھی زائل اور ختم ہو جاتی ہے اور وہ شے اپنی سابقہ حالت کی طرف لوٹ جاتی ہے اور اس سے انتفاع کا حق سب انسانوں کے لئے عام اور یکساں ہو جاتا ہے، مثال کے طور پر ایک شخص جنگل جاتا اور وہاں سے کوئی جانور پکڑ کر آبادی میں لے آتا ہے تو جنگل جانے آنے اور جانور پکڑ کر آبادی میں لانے کے سلسلہ میں اس نے جو سعی و محنت کی اور جو زحمت و تکلیف اٹھائی اس کی وجہ سے یہ جانور اس کی شخصی ملکیت بن کر اس کے استفادہ کے لئے مخصوص ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کے بعد اگر کبھی وہ جانور خود بھاگ کر جنگل چلا جاتا یا یہ شخص خود اس کو جنگل میں چھوڑ دیتا ہے تو اس جانور کے متعلق اس کی شخصی ملکیت زائل ہو جاتی ہے۔ اور وہ جانور مباح عام کی سابقہ حیثیت اختیار کر لیتا ہے، یا مثلاً ایک شخص دریا سے مچھلی پکڑنے کے بعد پھر اس مچھلی کو دریا میں ڈال دیتا ہے تو اس مچھلی کے متعلق اس کی ملکیت وجود میں آنے کے بعد زائل ہو جاتی ہے۔ یا مثلاً ایک کمہار مٹی سے برتن بنانے کے بعد توڑ پھوڑ کر پھینک دیتا ہے تو اسے برتن کے متعلق جو ملکیت حاصل ہوئی تھی وہ زائل و ختم ہو جاتی ہے۔

دو آدمیوں کی مستقل ملکیت ایک شے میں جمع نہیں ہو سکتی۔!!

شخصی ملکیت کے اس تصور کے مطابق ایک شخص کو کسی شے سے استفادہ و انتفاع کے حق میں جو ترجیح و تخصیص حاصل ہوتی ہے چونکہ وہ دوسرے اشخاص و افراد کے مقابلہ میں ہوتی ہے جو اس کی طرح انتفاع و استفادے کے محتاج و ضرورت مند ہوتے ہیں۔ لہٰذا ایک ہی شے میں بیک وقت دو اشخاص کی مستقل ملکیت جمع نہیں ہو سکتی اور دو شخص ایک ہی شے کے دو مستقل اور الگ الگ مالک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ انتفاع و استفادے

میں ایک کی تخصیص سے دوسرے کی تخصیص کی نفی ہو جاتی اور عملاً ان دونوں کے مابین ضرور تصادم اور نزاع واقع ہوتا ہے۔

اللہ کی ملکیت اور انسان کی ملکیت ایک جگہ جمع ہو سکتی ہے

لیکن ایک ہی شے میں بیک وقت اللہ تعالیٰ کی ملکیت اور انسان کی ملکیت دونوں جمع ہو سکتی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی انتفاع و استفادے کا محتاج نہیں اور اس کی ملکیت کا وہ مفہوم و مطلب نہیں جو ایک انسان کی ملکیت کا ہے، اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا مفہوم و مطلب ہے اللہ تعالیٰ کو بحیثیت خالق اور رب کے ہر شے کے اندر ہر قسم کے تصرّف اور ردّ و بدل کا کُلّی، ذاتی مستقل اور حقیقی اختیار ہے۔ وہ جس چیز میں جو چاہے تصرّف کر سکتا ہے اور اس کا ہر تصرّف صحیح و درست ہوتا ہے جبکہ انسان کو اپنی مملوکہ چیز میں تصرّف کا جو اختیار ہوتا ہے وہ کُلّی و کامل نہیں بلکہ جزوی اور ناقص، ذاتی نہیں بلکہ وہبی و عطائی، حقیقی نہیں مجازی اور مستقل و دائمی نہیں بلکہ عارضی و وقتی ہوتا ہے اور پھر چونکہ اللہ تعالیٰ جس میں جو بھی تصرّف فرماتا ہے وہ بندوں کی مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پہلو سے بھی بندے کے اپنی چیز میں صحیح تصرّف اور اللہ کے تصرّف میں کوئی تعارض و ٹکراؤ پیدا نہیں ہوتا اور دونوں کی ملکیت بیک وقت یکجا جمع ہو سکتی ہے اور کسی شے کے متعلق اللہ کی ملکیت کے اثبات سے انسان کی ملکیت کی نفی اور انسان کی ملکیت کے اثبات سے اللہ کی ملکیت کی نفی نہیں لازم آتی۔ چنانچہ قرآن مجید کی وہ آیات جو اللہ کی ملکیت پہ دلالت کرتی ہیں بالکل صحیح اور وہ آیات جو انسان کی ملکیت پہ دلالت کرتی ہیں، قطعاً درست ہیں اور ان کے درمیان کوئی تعارض و تناقض نہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کا طرز فکر غلط ہے جو ان قرآنی آیات کے پیش نظر جن سے ہر شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان کی ملکیت کا سرے سے انکار کرتے ہیں حالانکہ اسی قرآن مجید کے اندر بڑی کثیر تعداد میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن سے انسانی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے۔

انسانی ملکیت سے متعلق قرآنی آیات

ان آیات سے میری مراد ایک تو وہ آیات ہیں جن میں مال کی اضافت انسانوں

کی طرف ہے جو ان کی ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایسی آیات تقریباً ستر ہیں جن میں اَمْوَالَهُمْ ، اَمْوَالَكُمْ ، مَالَهٗ ، اَمْوَالَنَا ، اَمْوَالُ النَّاسِ ، اَمْوَالُ الْيَتَامٰى وغیرہ الفاظ ترکیب اضافی کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، جس طرح کتاب زید اور قلم زید کی ترکیب اضافی کتاب اور قلم کے متعلق زید کی ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ الفاظ میں اموال کی اضافت انسانوں کی طرف ان کی ملکیت پر دلالت کرتی ہے۔ دوسری وہ آیات ہیں جن میں زکوٰۃ، صدقات، قرض حسنہ، انفاق فی سبیل اللہ، وصیت و وراثت، مہر و نفقہ، دیت و خونبہا، کفارہ، بیع و شراء، بخس و تطفیف، امانت و خیانت، اسراف و تبذیر، بخل و شح، ربا و میسر، سرقے اور رشوت وغیرہ کا ذکر اور ان کے متعلق ایجابی و امتناعی احکامات ہیں، مذکورہ الفاظ میں سے ہر لفظ کا جو شرعی، عرفی اور لغوی معنی و مفہوم ہے انفرادی اور شخصی ملکیت اس کی ماہیت میں داخل اور اس کی حقیقت کا جزو لاینفک ہے۔ انسانوں کی انفرادی و شخصی ملکیت کا انکار کر دیا جائے تو ان الفاظ کا کوئی مطلب ہی باقی نہیں رہتا اور ان سے متعلق احکامات بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔

قرآنی تصوّرِ ملکیت

بہرحال یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ قرآن حکیم اشخاص و افراد کی شخصی و انفرادی ملکیت ہر شے کے متعلق تسلیم کرتا اور اپنے تصوّر کے تحت اسے جائز قرار دیتا ہے خواہ وہ شے اشیائے صرف میں سے ہو یا ذرائع پیداوار میں سے اور ابتدائی طور پر اس کی بنیاد انسانی سعی و محنت کے مفید اثرات پر رکھتا ہے۔ بعض احادیثِ نبویہ کی روشنی میں قرآن مجید کے اس تصور ملکیت کو اس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ جب کوئی شخص دوسروں سے سبقت کر کے سب سے پہلے کسی قدرتی شے کو اپنے تصرف میں لاتا اور اپنی سعی و محنت سے اس کی قدرتی افادیت میں ایک نئی افادیت پیدا کر دیتا ہے تو وہ شے اس کے انتفاع و استفادہ کے لئے مخصوص ہو جاتی اور اسے اس شے سے فائدہ اٹھانے کے حق میں دوسروں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے اور اب دوسرا کوئی شخص اس کی رضامندانہ اجازت کے بغیر اس سے فائدہ اٹھانے کا مجاز نہیں ہوتا، البتہ اگر وہ چاہے تو اپنی یہ ابتدائی ملکیت، بلامعاوضہ

یا بالمعاوضہ دوسرے کی طرف منتقل کرسکتا ہے مطلب یہ کہ سعی و محنت کے مفید اثرات کی بنیاد پر کسی شخص کو کسی قدرتی شے کی جو ملکیت حاصل ہوتی ہے وہ ناقابل انتقال نہیں بلکہ قابل انتقال ہوتی ہے اور ایسے طریقوں سے دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے جن میں پہلے مالک کی حقیقی رضامندی موجود ہوا کرتی ہے جیسے ہبہ و صدقے کا طریقہ، یا بیع و شراء کا طریقہ یا قرض و ادھار کا طریقہ یا وصیت و وراثت کا طریقہ، یعنی ہر وہ طریقہ جس میں مالک کے لئے کوئی مادی یا روحانی اور دنیوی یا اُخروی بدل اور معاوضہ موجود ہوا کرتا ہے۔ مطلب یہ کہ کسی ایسے طریقہ سے جب کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز دوسرے کو دیتا ہے۔ تو اب وہ دوسرا شخص اس چیز کا مالک بن جاتا اور اسے اس چیز کے اندر ہر اس تصرّف کا اختیار حاصل ہوجاتا ہے جس کا مالک اوّل کو حاصل تھا۔

چنانچہ جب کوئی شخص دوسروں سے پہل و سبقت کرکے قدرتی حالت پر پڑی ہوئی کسی بنجر و غیر آباد زمین کو قابل کاشت بناتا اور آباد کرتا ہے تو ان مفید اثرات کی وجہ سے جو اس شخص کی سعی و جہد اور محنت و مشقت سے وجود میں آئے اور اس قطعۂ زمین کے ساتھ قائم ہوگئے۔ وہ شخص قرآن مجید کے مذکورہ تصورِ ملکیت کی رو سے اس قطعۂ زمین کا مالک بن جاتا ہے۔ یعنی اس قطعۂ زمین سے انتفاع و استفادے کے حق میں اس کو دوسروں پر ترجیح و تخصیص حاصل ہوجاتی ہے اور اب دوسرے کسی کے لئے جائز نہیں ہوتا کہ وہ اس کی رضامندانہ اجازت کے بغیر اس قطعۂ زمین سے وہ فائدہ اٹھائے جو صرف ایک مالک کے لئے جائز ہوتا ہے یعنی دوسرا اس خطۂ زمین میں کوئی مالکانہ تصرّف نہیں کرسکتا۔ البتہ مالک کو اس کا اختیار ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی خوشی سے وہ زمین کسی دوسرے کو دیدے اور اس کے حق میں اپنی ملکیت سے دستبردار ہوجائے خواہ صدقہ و ہبہ کے طریقہ سے یا خرید و فروخت اور تجارتی تبادلہ کے طریقہ سے، چنانچہ وہ اگر ایسا کرتا ہے تو اس کی ملکیت دوسرے کی طرف منتقل ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص غیر آباد زمین کو آباد کرنے اور قابلِ کاشت بنانے کے بعد کافی عرصہ تک چھوڑ دیتا ہے۔ تا آنکہ اس کی سعی و محنت سے پیدا شدہ آبادی کے اثرات زائل ہوجاتے ہیں اور

زمین اپنی سابقہ حالت کی طرف لَوٹ جاتی ہے تو اس شخص کو اس زمین کے متعلق جو ملکیت حاصل ہوئی تھی زائل و ختم ہو جاتی ہے۔

پھر جیسا کہ میں نے اوپر عرض کیا قرآن مجید کے اس تصورِ ملکیت اور فلسفۂ ملکیت کے تحت جس طرح کوئی شخص کسی ایسی شے کا مالک قرار پاتا ہے جو نجی استعمال اور ذاتی صرف سے تعلق رکھتی ہے۔ اسی طرح ہر اس شے کا بھی مالک قرار پاتا ہے جو ذرائع پیداوار اور وسائل آمدنی سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا اسلام دونوں قسم کی اشیاء کے متعلق شخصی ملکیت کو جائز تسلیم کرتا اور مانتا ہے، البتہ اشیائے صرف کے مالک کو جتنے تصرّف کی اجازت دیتا ہے اتنے تصرّف کی آزادی ذرائع پیداوار کے مالک کو نہیں دیتا۔ یعنی ذرائع پیداوار کے مالک کو ہر اس تصرّف کی اجازت دیتا ہے جو اس کے لئے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ عامۃ الناس کے لئے بھی مفید ہو۔ لیکن کسی ایسے تصرّف کی اجازت نہیں دیتا جو اس کے لئے مفید اور عامۃ الناس کے لئے مفید نہ ہو بلکہ مضر ہو۔ کیونکہ ذرائع پیداوار اپنی اصل بناوٹ و ساخت کے لحاظ سے مفادِ عام کے لئے ہوتے ہیں اور ان سے اصل مقصود اجتماعی فائدہ ہوتا ہے اور انفرادی فائدہ اس کے تابع، لہٰذا ان کے مالک کا ہر وہ تصرّف ناجائز اور غلط قرار پاتا ہے جو مفادِ عام کے مخالف و منافی ہو۔

زمین سے شخصی ملکیت سے متعلق جزوی دلائل

اب تک جو کچھ کہا گیا وہ اس اصولی تصوّر سے متعلق تھا جو عام اشیاء کی شخصی و انفرادی ملکیت کے بارے میں قرآن مجید سے مفہوم ہوتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس میں وہ اصولی تصوّر بھی واضح ہو گیا ہو گا اور یہ بھی کہ اس اُصولی تصوّر کی رُو سے جس طرح کوئی شخص دوسری کسی شے کا مالک قرار پا سکتا ہے اسی طرح ایک قطعۂ زمین کا بھی مالک قرار پا سکتا ہے، گویا یہ واضح ہو گیا کہ ملکیت کے اس اُصولی و کُلّی تصوّر سے زمین کی شخصی ملکیت کا ثبوت کیسے فراہم ہوتا ہے اور اب میں وہ چند جُزوی نصوص سامنے لانا چاہتا ہوں جو قرآن و حدیث میں خاص طور پر زمین کی شخصی ملکیت سے متعلق پائی جاتی اور اس کے ثبوت و جواز پر دلالت کرتی ہیں: مثلاً قرآن مجید میں سورہ الکہف کی آیت ہے:-

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلاً رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعاً ۝

"اور بیان کیجئے ان کے لئے بطور مثال قصہ دو آدمیوں کا جن میں سے ایک کے لئے ہم نے دو باغ انگوروں کے بنائے اور ان کے اردگرد کھجوروں کی باڑھ لگائی اور ان کے درمیان کھیتی رکھی۔"

اس آیت میں لفظ "لِاَحَدِهِمَا" کے شروع میں لام چونکہ تملیک و تخصیص کے لئے ہے لہٰذا اس سے یہ مطلب پیدا ہوا کہ وہ دو باغ بمعہ کھیت و زرعی زمین کے اس ایک شخص کی ملکیت میں تھے اور وہ ان کا مالک تھا۔ پھر اس آیت سے متصل بعد کی آیات میں جو اس قصہ سے تعلق رکھتی ہیں اور بھی کئی ایسے الفاظ ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں کہ وہ باغ وغیرہ اس ایک شخص کی ملکیت تھے۔ مثلاً ایک یہ لفظ کہ "اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالاً" "میں مال میں تجھ سے زیادہ ہوں۔" دوسرا یہ لفظ "وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ" "اور وہ اپنے باغ میں داخل ہوا" اور تیسرا یہ لفظ "اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ" "جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا۔"

دوسری آیت سورہ الاحزاب کی یہ آیت ہے :-

وَاَوْرَثَكُمْ اَرْضَهُمْ وَدِيَارَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ وَاَرْضاً لَّمْ تَطَؤُهَا

"اور اللہ نے تمہیں یہود کی زمینوں، ان کے مکانوں اور ان کے مالوں کا وارث بنایا اور ایسی زمین کا بھی جس پر تم نے قدم بھی نہ رکھا تھا۔"

اس آیت میں لفظ "اَوْرَثَ" اس پر دلالت کرتا ہے کہ ترکِ وطن کے بعد یہودیوں نے پیچھے جو قطعات زمین، مکانات اور مختلف قسم کے اموال چھوڑے وہ پہلے یہود کی ملکیت تھے پھر مسلمانوں کی ملکیت قرار پائے کیونکہ وراثت کے لئے ضروری ہے کہ ایک چیز پہلے مورث کی ملکیت میں ہو اور پھر وارث کی ملکیت میں آئے، علاوہ ازیں ارض، دیار اور اموال کی اضافت یہودیوں کی طرف بھی یہ بتلاتی ہے کہ وہ ان کے مالک تھے بہرحال اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مکانوں

اور دوسرے مالوں کی شخصی ملکیت کی طرح زمین کی شخصی ملکیت بھی جائز ہے۔ زرعی زمین کی شخصی ملکیت کے متعلق تیسری آیت سورہ القلم کی یہ آیت ہے:

اَنِ اغْدُوْا عَلٰی حَرْثِکُمْ	"اور یہ کہ صبح سویرے چلو اپنے
اِنْ کُنْتُمْ صَارِمِیْنَ ہ	کھیتوں پر اگر تم اسے کاٹنے والے ہو"

یہ آیت باغ والوں کے قصہ سے تعلق رکھتی ہے جو سورہ القلم میں بیان کیا گیا ہے کہ جب باغ اور کھیت تیار ہوا۔ پھل اور فصل کاٹنے کا وقت آیا تو انہوں نے اس خیال سے کہ اگر دن میں کٹائی کی تو مانگنے والے مسکین آجائیں گے اور ان کو کچھ دینا پڑے گا، یہ طے کیا کہ علی الصبح اندھیرے میں یہ کام کر لیا جائے تاکہ مسکینوں کو کچھ دینا نہ پڑے، ان کا یہ رویّہ اللہ کی ناراضگی کا باعث بنا اور صبح سے پہلے رات ہی کو آفت سماوی نے ان کے باغ اور کھیت کو تہس نہس کر دیا۔ صبح جب وہاں پہنچے تو باغ و کھیت کو نہ پاکر آزردہ ہوئے اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے اور تائب ہو کر اعتراف کیا کہ ہم سے زیادتی اور سرکشی ہوئی ہے۔ بہر حال آیت مذکور میں لفظ حَرْثِکُمْ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ کھیت کے مالک تھے۔

یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ بعض حضرات نے زمین کی شخصی ملکیت کی نفی میں قرآن مجید کی یہ آیت پیش کی اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ "بے شک زمین اللہ کے لئے ہے" اور اس سے اسطرح استدلال کیا ہے کہ جب زمین اللہ کی ہے تو پھر اس کے کسی حصّے کا کوئی انسان کیسے مالک ہو سکتا ہے۔ گویا اس استدلال کی بنیاد اس پر ہے کہ کسی شے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی ملکیت کے اثبات سے انسان کی ملکیت کی نفی ہو جاتی ہے۔ حالانکہ یہ درست نہیں کیونکہ جیسا کہ پیچھے تفصیل کے ساتھ عرض کیا گیا کہ اللہ کی ملکیت کے معنی اور ہیں اور انسان کی ملکیت کے معنی اور، اور یہ کہ دونوں کے درمیان کوئی تعارض نہیں اور دونوں بیک وقت ایک شے میں جمع ہو سکتے ہیں اور یہ کہ ایک ملکیت کے اثبات سے دوسری ملکیت کی نفی لازم نہیں آتی اور پھر اگر اس کو درست مان لیا جائے تو پھر دنیا کی

کوئی شے بھی خواہ اس کے ذاتی استعمال ہی کی کوئی شے کیوں نہ ہو انسان کی ملکیت نہیں ہونی چاہیئے۔ اس لئے کہ قرآن مجید میں بکثرت ایسی آیات ہیں جو یہ بتلاتی ہیں کہ زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے یعنی کائنات کی ہر ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور تنہا وہی ہر شے کا مالک حقیقی ہے۔ حالانکہ زمین کی شخصی ملکیت کی نفی کرنے والے حضرات بے شمار چیزوں کی شخصی و انفرادی ملکیت کو مانتے اور جائز تسلیم کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں آیت مذکورہ ہماری زیر بحث زمین کی شخصی ملکیت سے تعلق ہی نہیں رکھتی بلکہ اس کا تعلق ملکی اقتدار حکومت سے ہے جس قرآنی آیت کا یہ ایک درمیانی ٹکڑا ہے۔ وہ پوری آیت سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۲۸ ہے اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے "حضرت موسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا" اللہ سے مدد چاہو اور صبر سے کام لو۔ اور یقین جانو کہ زمین اللہ کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جنہیں چاہتا اس کا وارث بناتا ہے۔ اور یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ عاقبت اور اچھا انجام متقی لوگوں کے لئے ہے۔

اس آیت میں جس وراثت ارضی کا ذکر ہے وہ استخلاف فی الارض اور ملکی اقتدار کے ہم معنی ہے، اس کا اظہار اس آیت سے متصل بعد والی آیات سے بھی ہوتا ہے مثلاً اس سے متصل پہلی آیت کا ترجمہ ہے "قوم کے لوگوں نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے کہا ہم آپ کے آنے سے پہلے بھی ستائے گئے اور آنے کے بعد بھی، اس پر حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا" شاید تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تمہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے اور دیکھے کہ تم کیا روش اختیار کرتے ہو۔" پھر آیت نمبر ۱۳۷ کا ترجمہ ہے "اور ہم نے وارث بنایا اس قوم کو جس کے افراد کمزور سمجھے جاتے تھے اس زمین کے شرق و غرب کا جس میں ہم نے برکتیں رکھی تھیں۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ قوم سے مراد بنی اسرائیل اور ارض سے مراد سرزمین فلسطین ہے اور وراثت سے مراد اس ملک کی حکومت ہے جو ان کو ملی تھی۔

وراثت ارض سے مراد ملک کی حکومت و خلافت ہے اس کا اظہار سورہ الانبیاء کی اس آیت سے بھی بخوبی ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ	"اور بے شک ہم نے زبور میں
مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ	ذکر کے بعد لکھا کہ بلاشبہ اس
الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ	زمین کے وارث ہوں گے ہمارے
الصَّالِحُوْنَ ٥	صالح و نیک بندے"

یہ اور اس مضمون کی بعض دوسری آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم کو زمین کا وارث بنانے کا مطلب ہے اس قوم کو اس سے پہلی قوم کی جگہ جو اپنی بداعمالیوں اور غلطیوں کی وجہ سے ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہوئی، ملک کا اقتدار دینا اور زمین کا خلیفہ و حاکم بنانا۔ لہٰذا اس قسم کی قرآنی آیات کو نہ ہماری زیر بحث زمین کی شخصی ملکیت کے اثبات میں پیش کرنا درست ہے اور نہ اس کی نفی و انکار میں۔

اسی طرح جو حضرات زمین کی شخصی ملکیت کو نہیں مانتے اپنی رائے کی تائید میں قرآن مجید کی اس آیت کو بھی پیش کرتے ہیں جو سورہ الرحمٰن میں اس طرح ہے

وَالْاَرْضَ وَضَعَهَا لِلْاَنَامِ	"اور زمین کو اللہ نے خاص طرح سے بنایا اور رکھا مخلوقات کے فائدہ کے لئے۔

حالانکہ اس آیت سے نہ زمین کی انفرادی ملکیت کی نفی ہوتی ہے اور نہ اجتماعی ملکیت کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ اس میں اَرض سے مراد پوری زمین اور اَنام سے مراد تمام زندہ و جاندار مخلوق ہے وہ انسان ہوں یا غیر انسان، اور آیت کا مطلب ہے اللہ نے زمین کو اس انداز سے بنایا اور اس کا نظام اس طرح سے قائم کیا ہے کہ اس سے تمام جانداروں کو زندہ رہنے نشوونما پانے اور فائدے اٹھانے کا سروسامان ملے، اور یہ مطلب ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس کا اس کائنات میں ہر آن مشاہدہ ہو رہا ہے۔ زمین کے کسی خاص خطے کے متعلق کسی کی شخصی و انفرادی ملکیت نہ اس مطلب کی راہ میں کوئی رکاوٹ ہے اور نہ اس کے منافی و مخالف۔ لہٰذا آیت مذکورہ کو نفی ملکیت زمین کے ثبوت میں پیش کرنا کسی طرح صحیح و درست نہیں بلکہ یہ ایک بڑی ناسمجھی اور زیادتی کی بات ہے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ : حرفِ اوّل

مقالے "مروجہ نظام زمینداری اور اسلام" کی سلسلہ وار اشاعت کا آغاز کیا جا رہا ہے۔ اصحابِ علم سے گذارش ہے کہ وہ کھلے قلب و ذہن کے ساتھ اس کا مطالعہ فرمائیں اور اگر کہیں استدلال کی کڑیوں میں کوئی خلاء یا کمی محسوس کریں تو خالصتہً احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کے جذبے سے قلم اٹھائیں ــــ "حکمتِ قرآن" کے صفحات ان کے لئے حاضر رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق ہی دکھلائے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور باطل کو باطل ہی دکھلائے اور اس سے اجتناب کی ہمت مرحمت فرمائے۔ آمین!

انجمن خدام القرآن اور قرآن اکیڈمی
کے مقاصد کی وضاحت کے لئے مطالعہ فرمائیں

اِسلام کی نشاۃِ ثانیہ
کرنے کا اصل کام

از قلم :ــــ ڈاکٹر اسرار احمد